ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-14

ماخذ تحقیقی مجلہ

انوراللہ خان
پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اردو اسلامیہ کالج یونیورسٹی پشاور
ڈاکٹر انور علی
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو اسلامیہ کالج یونیورسٹی پشاور

تحلیل نفسی کے تناظر میں منٹو کے منتخب افسانوں کا تجزیہ

Anwar Ullah Khan
PhD Scholar, Department of Urdu, Islamia College University, Peshawar.
Dr. Anwar Ali *
Assistant Professor, Department of Urdu, Islamia College University, Peshawar.

***Corresponding Author:** anwar@icp.edu.pk

A Psychoanalytic Analysis of Selected Short Stories of Manto

This research paper explores the representation of Post-Traumatic Stress Disorder (PTSD) in selected short stories of Saadat Hasan Manto, a prominent writer of colonial and post-colonial South Asian literature. PTSD, a key concept in Sigmund Freud's psychoanalysis, emerges in Manto's narratives as a profound psychological condition shaped by the violence, displacement, and socio-political turmoil of partition-era India. His characters often experience severe psychological distress, reflecting the broader societal trauma of historical events and illustrating the deep connection between individual suffering and collective memory. Using a psychoanalytic framework, this study examines how PTSD and hysteria—another significant Freudian concept—manifest in Manto's works as socio-psychological disorders that contribute to various social issues, including alienation, moral decline, and violence. Manto's realistic and unfiltered storytelling provides a compelling critique of the human psyche under extreme trauma, portraying fractured identities and mental instability as consequences of larger socio-political crises. By analyzing Manto's portrayal of PTSD and hysteria, this study contributes to the understanding of psychological disorders in literature and provides insights into the relationship between trauma and narrative. This research also lays the groundwork for further scholarly exploration of other social and psychological conditions in Manto's writings, emphasizing the relevance of psychoanalysis in literary studies and highlighting the intersection of literature, history, and mental health in the South Asian context.

Key Words: *Psychoanalysis, Post-Traumatic Stress Disorder, Hysteria, Manto, Trauma Literature.*

تحلیل نفسی (Psychoanalysis) ایک نفسیاتی نظریہ اور علاج کا طریقہ کار ہے جس کو مشہور ماہر نفسیات سگمنڈ فرائڈ (Sigmund Freud) نے انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں پیش کیا تھا۔ یہ نظریہ انسان کی نفسیات اس کی شخصیت اور ذہنی مسائل کی تفہیم کے لیے بنیادی طور پر لاشعوری خیالات، خواہشات، اور یادوں کی تحقیق پر زور دیتی ہے۔ تحلیل نفسی کا مقصد صحت کی خرابیوں کا کھوج لگانا ہوتا ہے۔ اس کے ذریعے نفسیاتی معالج کسی مریض کی مدد اور اس کا علاج کرتا ہے تاکہ وہ لاشعور (Unconscious) سے مسائل اور تلخ یادیں دوبارہ شعور (Conscious) کی سطح پر لائے اور ان تمام مسائل کا حل اور سدباب کیا جا سکے۔ اس طریقہ علاج کی بدولت کوئی بھی مریض نفسیاتی عوارض کا حل تلاش کر لیتا ہے اور ایک صحت مند زندگی کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ تحلیل نفسی (Psychoanalysis) ایک مفصل نظریہ ہے جو انسانی نفسیات کے گہرے پہلوؤں کو سمجھنے میں مدد کرتا ہے۔ یہ نظریہ ابھی تک انسانوں کے نفسیاتی علاج کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ جدید نفسیات نے اس کے ساتھ علاج کے دیگر طریقوں کو بھی شامل کر لیا ہے۔

ڈاکٹر سگمنڈ فرائڈ (Dr Sigmund Freud) کے تعلقات ۱۸۷۰ء میں جوزف بریئر (Josef Breuer) کے ساتھ استوار ہو چکے تھے یہ وہ زمانہ تھا جب وہ نظام اعصاب کی ابتدا کے بارے میں تحقیق کر رہا تھا۔ ڈاکٹر جوزف بریئر (Josef Breuer) خود بھی ایک ماہر ڈاکٹر تھا جو ہسٹریا (Hysteria) اور اس سے وابستہ دوسرے امراض پر ریسرچ کر رہا تھا۔ اس زمانے میں ہسٹریا (Hysteria) کا علاج جیان مارتن شارکو (Jean Martin Charcot) جو کہ ماہر نفسیات تھا کے تجویز کردہ اصولوں کے ذریعے کیا جاتا تھا۔ چنانچہ سگمنڈ فرائڈ (Sigmund Freud) نے ہسٹریا (Hysteria) کے نتیجے میں پروان چڑھنے والی علامات اور وجوہات کی جانچ

پڑتال کے لیے وہی طریقہ کار اپنایا اور فالج(Paralysis)، غشی(Fainting) اور نسیان(Amnesia) وغیرہ کا علاج کرنے لگا ۱۸۸۰ء میں جوزف بریئر(Josef Breuer) کے پاس ہسٹریا(Hysteria) کے مرض میں مبتلا ایک لڑکی آئی جس نے یورپ کے کئی معروف ڈاکٹروں سے علاج کیا تھا لیکن اسے کسی قسم کا افاقہ نہیں ہوا تھا۔ یہ نوجوان لڑکی اینا او(Anna o) تھی جس کو گلاس میں پانی پینے سے گھن آتی تھی۔ گلاس میں پانی نہ پینے کی بظاہر کوئی معقول وجہ نہیں تھی اور نہ ہی اس لڑکی کو اس بارے میں کچھ معلوم تھا کہ اس کے ساتھ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ اس حوالے سے اس کو کوئی واقعہ یا حادثہ یاد نہیں تھا۔ جس کی بدولت اس مسئلے نے جنم لیا تھا۔ ایک روز معائنے کے دوارن اس لڑکی نے جوزف بریئر(Josef Breuer) سے کہا تھا، کہ اگر وہ اسے باتیں کرنے دیں تو اسے امید ہے کہ اس کی ذہنی کیفیت بہتر ہو جائے گی۔ جوزف بریئر جب اسے اجازت دے دیتا ہے تو حیران کن طور پر اس کی حالت بہتر ہو جاتی ہے۔ اس طریقہ کار کو اس نے "گویائی علاج" کا نام دیا تھا۔ اس حوالے سے حزب اللہ لکھتے ہیں:

> "بریئر خود بھی حیران تھا کہ اس نے مریضہ کو اس سے قبل کس قدر دوائیاں دی تھیں اس کا ہر مروجہ علاج کیا گیا تھا مگر وہ صحتیاب نہ ہو سکی تھی۔ مگر اب مریضہ صرف اپنی کہانیاں سنا رہی تھی اور تندرست ہونے لگی تھی۔ فرائیڈ نے اس واقعہ کی اہمیت کا اندازہ لگا لیا۔ جوں جوں وہ اس مسئلہ پر غور کرتا گیا اسے محسوس ہوتا گیا کہ اگر مریض اپنی مریضانہ علامت کی تہہ اور اس سے وابستہ واقعہ تک پہنچ جائے تو علامت غائب ہو جاتی ہے"(١)

سگمنڈ فرائڈ(Sigmund Freud) اور جوزف بریئر(Josef Breuer) اس واقعے اور نئے طریقہ علاج سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انھوں نے اس کو(Cathartic Method) تزکیاتی طریقہ کہا جو بعد میں (Abreaction) تزکیہ نفس یا ذہنی کھرینچ کے اصطلاحی نام سے مشہور ہوا۔ اس لڑکی کی شفایابی کے بعد سگمنڈ فرائڈ(Sigmund Freud) کے ذہن میں کئی سوالات نے جنم لیا، جس کے جوابات کی تلاش میں اس نے ایک نیا طریقہ علاج دریافت کیا جس کو تجزیہ نفس یا تحلیل نفسی (Psychoanalysis) کے نام سے جانا جاتا ہے۔

نظریہ تحلیل نفسی نے مختلف شعبہ ہائے زندگی کی طرح ادب کو بھی متاثر کیا ہے، چنانچہ موجودہ دور میں بھی اس نظریے کا اطلاق تخلیق کار اور اس کی تخلیقات جس میں مختلف اصناف شامل ہیں پر کیا جاتا ہے جس سے انسانی ذہن کے پوشیدہ گوشے منظر عام پر آتے ہیں۔

منٹو کا شمار اردو ادب کے نامور ادبا میں کیا جاتا ہے۔ ان کے افسانوں میں شامل کچھ کردار فسادات کے نتیجے میں پیدا ہونے والی ہولناکیوں اور تباہ کاریوں یا دیگر مختلف مسائل سے متاثر ہیں، جس کی وجہ سے ان میں مختلف ذہنی عوارض کی علامات موجود ہیں۔ ان عارضوں میں سے ایک پوسٹ ٹرامیٹک سٹریس ڈس آرڈر (Post Traumatic Stress Disorder) ہے۔

یہ ایک ذہنی بیماری ہے جو کسی شدید اور خوفناک واقعے یا حادثے کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ یہ عام طور پر ان لوگوں میں زیادہ پائی جاتی ہے جنھوں نے جنگ، حادثے، قدرتی آفات یا ذاتی نقصان جیسا بڑا صدمہ برداشت کیا ہو۔ (Post Traumatic Stress Disorder) میں مبتلا لوگ بار بار اس تلخ واقعے کو یاد کرتے ہیں، ڈراؤنے خواب دیکھتے ہیں، اور ایسا محسوس کرتے ہیں کہ جیسے وہ دوبارہ اسی صورتِ حال سے گزر رہے ہیں۔

اس مرض میں مبتلا فرد معمولی سی بات پر بھی بہت زیادہ گھبراہٹ اور اضطراب محسوس کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ چڑچڑا پن کا شکار ہو جاتا ہے۔ مریض کی توجہ کسی بھی کام پر مرکوز نہیں رہتی اور نہ ہی وہ کسی چیز میں دلچسپی رکھتا ہے۔ ایسا شخص سماجی تعلقات نبھانے میں بھی مشکلات کا سامنا کرتا ہے اور لوگوں سے کٹ کر دوری اختیار کر لیتا ہے۔ یہ مرض انسان کے دماغ اور جسم پر شدید اثرات مرتب کرتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ مریض خود کو معمول کی زندگی میں واپس لانے میں مشکلات محسوس کرتا ہے اور صدمے کے اثرات اس کے روزمرہ کے کاموں، تعلقات اور جذباتی حالت پر اثرانداز ہوتے ہیں۔

منٹو کا افسانہ "کھول دو" کی کہانی فسادات کے موضوع پر مشتمل ہے۔ اس افسانے میں منٹو نے انسانی نفسیات کو بڑے جزئیات کے ساتھ بیان کیا ہے۔ افسانے میں شامل نسوانی کردار سکینہ پوسٹ ٹرامیٹک سٹریس ڈس آرڈر (Post Traumatic Stress Disorder) میں مبتلا ہے۔ فسادات کے دوران جب لوگ اپنے گھر بار چھوڑ کر پناہ کی تلاش میں نکل جاتے ہیں تو سکینہ کا خاندان بھی ان لوگوں میں شامل ہوتا ہے۔ چنانچہ آٹھ رضاکاروں پر مشتمل جھتہ سکینہ کو جنسی ہوس کا نشانہ بنا دیتے ہیں۔ سکینہ کا والد اسے تلاش کرتے ہوئے بالآخر ہسپتال میں بے ہوشی کی حالت میں ڈھونڈ لیتا ہے۔ اس حوالے سے افسانے کا اقتباس ملاحظہ ہو:

> "سراج الدین چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس کی طرف بڑھا۔ کمرے میں دفعتاً روشنی ہوئی۔
>
> سراج الدین نے لاش کے زرد چہرے پر چمکتا ہوا تل دیکھا اور چلایا۔ "سکینہ!" ڈاکٹر جس نے کمرے میں روشنی کی تھی سراج الدین سے پوچھا، "کیا ہے؟" سراج الدین کے حلق

> سے صرف اس قدر نکل سکا "جی میں۔۔۔جی میں۔۔۔اس کا باپ ہوں!" ڈاکٹر نے اسٹریچر پر پڑی ہوئی لاش کی طرف دیکھا" اس کی نبض ٹٹولی اور سراج الدین سے کہا" کھڑکی کھول دو" سکینہ کے مردہ جسم میں جنبش پیدا ہوئی۔ بے جان ہاتھوں سے اس نے ازار بند کھولا اور شلوار نیچے سرکا دی۔ بوڑھا سراج الدین خوشی سے چلایا" زندہ ہے۔۔۔میری بیٹی زندہ ہے۔۔۔" ڈاکٹر سر سے پیر تک پسینے میں غرق ہو گیا"(۲)

ڈاکٹر جب سکینہ کے والد سے کھڑکی کھولنے کے لیے کہتا ہے تو سکینہ کا ہاتھ غیر اختیاری طور پر اِزار بند کی طرف چلا جاتا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس نے جنسی تشدد کو بار بار جھیلا ہے جس کی وجہ سے اس کا ذہن اسی خاص واقعے کے گرد گھومتا ہے۔ جنسی درندگی کا یہ عمل اس کے لاشعور میں گہری چھاپ چھوڑ گیا تھا جس کی وجہ سے وہ بے ہوشی اور نیم مردہ حالت میں بھی اپنا ہاتھ اِزار بند کی طرف بڑھا دیتی ہے۔ پوسٹ ٹرامیٹک سٹریس ڈس آرڈر(Post Traumatic Stress Disorder) میں مبتلا فرد اپنے شعوری احساسات میں ربط قائم نہیں رکھ سکتا اور وہ کسی بات کا مطلب دوسری طرف موڑ لیتا ہے کیونکہ اس کا ذہن کسی مخصوص نقطے کے گرد گھومتا ہے۔

افسانہ "یزید" کا کریم داد بھی پوسٹ ٹرامیٹک سٹریس ڈس آرڈر (Post Traumatic Stress Disorder) میں مبتلا ہے۔ کچھ خون ریز واقعات اور قتل و غارت گری کے بعد کریم داد کی ذہنی کیفیت منتشر ہو جاتی ہے۔ ان حادثات کی بدولت وہ نہ صرف جذباتی طور پر بے حس ہو جاتا ہے بلکہ جب اس کا والد قتل ہو جاتا ہے تو وہ خود اپنے باپ لیے قبر کھود کر دفنا دیتا ہے۔

کریم داد کے سامنے والد کی زخموں سے چور اور کٹی پھٹی لاش موجود ہوتی ہے لیکن اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا ایک قطرہ تک نہیں گرتا بلکہ وہ رونے دھونے، آہ و بکا اور گریہ وزاری کو اپنی بہادری اور مردانگی کے خلاف سمجھتا ہے۔ وہ اپنے اس شدید جذبے کا گلا گھونٹ دیتا ہے اور اس کا اظہار تک نہیں کرتا۔ کریم داد کے انہی اوصاف سے متعلق افسانے کا اقتباس ملاحظہ کیجیے:

> "گاؤں میں اور بھی کئی وارداتیں ہوئی تھیں، سینکڑوں جوان اور بوڑھے قتل ہوئے تھے، کئی لڑکیاں غائب ہو گئی تھیں۔ کچھ کی بہت ہی ظالمانہ طریقے پر بے آبروئی ہوئی تھی۔ جس کے بھی یہ زخم آئے تھے، روتا تھا، اپنے پھوٹے نصیبوں پر اور دشمنوں کی بے رحمی پر، مگر

> کریم داد کی آنکھ سے ایک آنسو بھی نہ نکلا۔ اپنے باپ رحیم داد کی شہ زوری پر اسے ناز تھا"(۳)

اس کے علاوہ کریم داد فسادات کے تناظر میں برپاکشت وخون کا نہ صرف جواں مردی سے مقابلہ کرتا ہے بلکہ دشمن کی طرف پیٹھ پھیرنا، ہتھیار پھینکنا یا بزدلی دکھانا اپنی شان کے خلاف سمجھتا ہے۔ یہ ساری باتیں اس کے دل ودماغ میں برپا ہونے والی کشمکش اور تناؤ کی غمازی کرتے ہیں۔

کریم داد کو اگرچہ اپنے مسائل کا علم ہے لیکن وہ ان واقعات کو یاد کرا نا گوارا نہیں کرتا بلکہ وہ اس سے فرار اختیار کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ کریم داد اپنی توجہ کو ان پے درپے حادثات سے ہٹانے کے لیے نہ صرف جیناں سے شادی کرلیتا ہے بلکہ اپنی نئی نویلی دلہن کو بھی اپنے قتل شدہ بھائی کا غم بھلانے اور خود کو مصروف رکھنے کی تجویز دیتا ہے۔ وہ جیناں کی دل جوئی کی خاطر اس کے ساتھ مذاق کرتا ہے اور اسے ہنسانے کے مواقع تلاش کرتا ہے۔ ان تمام باتوں سے وہ اپنے اندرونی کرب اور کشمکش کو رفع کرنے کی ناکام کوشش کرتا ہے۔ کریم داد اور جیناں کے ہاں جب پہلی نرینہ اولاد پیدا ہوجاتی ہے تو وہ اپنے نومولود کا نام "یزید" رکھ دیتا ہے۔ جیناں کو "یزید" کے نام پر اعتراض ہوتا ہے چنانچہ کریم داد لفظ "یزید" کے معنی بدل دیتا ہے۔ وہ جیناں کو قائل کرنے کے لیے کہتا ہے کہ اُس یزید نے تو کربلا والوں کا پانی بند کیا تھا لیکن ہمارا بچہ ایسے ظلم وجبر سے نہ صرف احتراز برتے گا بلکہ وہ ظالم کا راستہ بھی روکے گا۔ کریم داد کے سوچ کی اس مثبت تبدیلی کے پیچھے دراصل اپنے اندرونی خلفشار کو چھپانے کی ایک شعوری کاوش ہوتی ہے۔ مجموعی طور پر کریم داد میں وہ تمام علامات موجود ہیں جو پوسٹ ٹرامیٹک سٹریس ڈس آرڈر (Post Traumatic Stress Disorder) کے شکار افراد میں ہو سکتی ہیں، جیسے جذباتی طور پر بے حس ہونا، حقائق سے روگردانی برتنا اور اپنے آپ کو مثبت سرگرمیوں میں مصروف رکھنا شامل ہیں۔

اس افسانے کا دوسرا کردار جیناں بھی پوسٹ ٹرامیٹک سٹریس ڈس آرڈر (Post Traumatic Stress Disorder) کی شکار ہے۔ سن سنتالیس کے خونریز واقعات نے جیناں کو بھی متاثر کیا تھا۔ اس کے کئی خونی رشتہ دار اپنی جانیں گنوا چکے تھے۔ اس سلسلے میں افسانے کا اقتباس ملاحظہ ہو:

> "جیناں سوگوار تھی، اس کا شہتیر جیسا کڑیل جوان بھائی بلوؤں میں مارا گیا۔ ماں باپ کی موت کے بعد ایک صرف وہی اس کا سہارا تھا"(۴)

جیناں کی زندگی کے تلخ تجربات اور صدمات نے اس کے اندر جینے کی امنگ کو جیسے ختم کر دیا ہو۔ اس کے بھائی کا عید کے دن قتل ہونا اس کے لیے ایسا ناقابلِ فراموش سانحہ ہے جو ہر خوشی کے لمحے پر سایہ فگن رہتا ہے۔ اس کی زندگی میں جب کبھی خوشی کا موقع آتا ہے تو ماضی کی تلخ یادیں اسے جکڑ لیتی ہیں اور وہ بے چین ہو کر دیر تک سہمی رہتی ہے۔ جیناں کے لیے ظلم یا کسی حادثے کی بات سننا ناقابلِ برداشت ہو جاتا ہے۔ ایسے واقعات کا ذکر یا ان سے جڑا کوئی نام سن کر وہ ذہنی طور پر منتشر ہو جاتی ہے اور اس کا رنگ زرد پڑ جاتا ہے۔ جب جیناں کے ہاں پہلے بیٹے کی پیدائش ہوتی ہے اور اس کا شوہر کریم داد اس کا نام "یزید" رکھ دیتا ہے، تو یہ نام سن کر جیناں کی کیفیت متغیر ہو جاتی ہے اور اسے ماضی کے تمام صدمات اور مظالم یاد آجاتے ہیں۔ اس حوالے سے افسانے کا اقتباس ملاحظہ کیجئے:

> "اس کے پہلو میں ایک گول گھوتنا سا بچہ اپنا انگوٹھا چوس رہا تھا۔ کریم داد نے اس کی طرف پیار بھری فخریہ نظروں سے دیکھا اور اس کے گال کو انگلی سے چھیڑتے ہوئے کہا اوئے میرے "یزید" جیناں کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی "یزید" کریم داد نے غور سے اپنے بیٹے کا ناک نقشہ دیکھتے ہوئے کہا ہاں "یزید"۔۔۔۔ یہ اس کا نام ہے۔ جیناں کی آواز بہت نحیف ہو گئی "یہ تم کیا کہہ رہے ہو کریمے "(۵)

پوسٹ ٹرامیٹک سٹریس ڈس آرڈر (Post Traumatic Stress Disorder) میں مبتلا لوگ جب کسی واقعے یا حادثے سے وابستہ کسی چیز یا فرد کا نام سن لیتے ہیں تو ان کے ذہن پر وہی کیفیت چھا جاتی ہے جس کا اسے پہلے سے تجربہ ہو۔ کریم داد جب اپنے بیٹے کا نام یزید رکھ لیتا ہے تو جیناں کو واقعہ کربلا کا مرکزی کردار یزید اور اس کے مظالم یاد آجاتے ہیں۔

افسانہ "گورمکھ سنگھ کی وصیت" میں بھی سن سنتالیس کی فسادات اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مختلف مسائل اور ہولناکیوں کو بڑے عرق ریزی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ افسانے کا مرکزی کردار ایک نوجوان لڑکی صغریٰ ہے جو ذہنی ترود اور بے چینی میں مبتلا ہے۔ وہ ان خون ریز حالات و واقعات کی چشم دید گواہ ہے۔ صغریٰ جب اپنے ارد گرد دیکھتی ہے کہ کیا مسلمان اور کیا ہندو اور سکھ سب اپنا گھر بار چھوڑ کر لٹی پٹی حالت میں اپنے آبائی وطن کو چھوڑ کر ایک ایک کر کے رخصت ہو رہے ہیں تو یہ تمام مناظر اس کے لیے تکلیف دہ ثابت ہوتے ہیں۔ شہر میں ہر سو پھیلی افراتفری چیخ و پکار اور گولیوں کے چلنے کی آوازیں سن سن کر اس کی ذہنی حالت

غیر ہو جاتی ہے۔ وہ ہر روز اپنے گھر کی بالکنی سے اسلحہ سے لیس جتھے دیکھتی ہے جس سے وہ سہم جاتی ہے۔ اس نفسا نفسی کے عالم میں اگر مسلمانوں کو ہندوؤں سے خطرہ تھا تو ہندوؤں اور سکھوں کو مسلمانوں کا خوف کھائے جا رہا تھا۔ ایک مرتبہ جب صغریٰ کے گھر کا مرکزی دروازہ کوئی زور زور سے کھٹکھٹاتا ہے تو صغریٰ پر ایک لحظے کے لیے لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ اسی لمحے وہ اپنے چھوٹے بھائی بشارت کو پکڑ کر اسے سمجھاتی ہے کہ دروازے پر جا کر معلوم کر لو کہ کون آیا ہے؟ اس سلسلے میں صغریٰ اور اس کے والد کے درمیان مکالمہ ملاحظہ ہو:

> "شاید اکبر آیا ہے، یہ سن کر میاں صاحب نے نفی میں سر ہلایا جیسے وہ کہہ رہے ہیں "نہیں" یہ اکبر نہیں ہے۔ صغریٰ نے کہا تو اور کون ہو سکتا ہے ابا جی؟ میاں عبدالحئی نے اپنی قوت گویائی پر زور دے کر کچھ کہنے کی کوشش کی کہ بشارت آ گیا۔ وہ سخت خوفزدہ تھا۔ ایک سانس اوپر اور ایک نیچے۔ صغریٰ کو میاں صاحب کی چارپائی سے ایک طرف ہٹا کر اس نے ہولے سے کہا "ایک سکھ ہے "صغریٰ کی چیخ نکل گئی سکھ؟ کیا کہتا ہے۔ بشارت نے جواب دیا۔ کہتا ہے دروازہ کھولو۔ صغریٰ نے کانپتے ہوئے بشارت کو کھینچ کر اپنے ساتھ چمٹا لیا اور باپ کی چارپائی پر بیٹھ گئی اور اپنے باپ کی طرف ویران نظروں سے دیکھنے لگی"(٦)

اس کے علاوہ صغریٰ کے والد میاں عبدالحئی بھی اسی ذہنی کیفیت سے گزر رہا ہے کیونکہ وہ اپنی بیٹی اور چھوٹے بیٹے بشارت کو دلاسہ دیتا ہے کہ گھبرانے اور فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے سب کچھ ٹھیک ہے۔ ان تمام باتوں سے یہ نتیجہ احذ کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے اندرونی خوف کو اپنے بچوں سے چھپانے کی کوشش کرتا ہے اور ایک طرح سے حقائق سے منہ موڑنا چاہتا ہے۔

افسانہ "اس کا پتی "کا مرکزی کردار روپا بھی ایک غریب خاندان سے تعلق رکھنے والی لڑکی ہے۔ روپا کو ایک امیر زادہ جنسی ہوس کا نشانہ بنا دیتا ہے۔ اس کے والدین کو جب اپنی چہیتی بیٹی کی آبروریزی کا پتہ چل جاتا ہے تو وہ اس سے بازپرس کرتے ہیں لیکن روپا ڈر اور شرم کے مارے حال بتانے سے مکر جاتی ہے۔ چنانچہ وہ کمرے کی طرف بھاگ جاتی ہے اور دبکی سی بیٹھ کر، اپنے جسم کو گدڑی اور پرانے کپڑوں سے ڈھانپ کر رونے لگتی ہے۔ روپا کا اپنے جسم کو چیتھڑوں سے چھپانے کی کوشش کرنا دراصل اس ناخوشگوار واقعے کی تلخ یاد سے فرار اختیار کرنے کی کوشش ہوتی ہے۔ نتھو جب اس سے سوالات کرتا ہے تو وہ گم سم سی اسے تکتی رہتی ہے۔ وہ بات کرنے سے کتراتی ہے کیونکہ اس کا لاشعور اسی واقعے میں اٹکا ہوا ہوتا ہے۔

روپا اس حادثے سے اس قدر متاثر ہوتی ہے کہ وہ خودکشی پر غور کرتی ہے تاکہ ان تلخ یادوں سے دامن چھڑا سکے۔ جنسی درندگی کے شکار لوگ شدید ذہنی دباؤ میں مبتلا ہوتے ہیں اور وہ اپنی زندگی کے ساتھ کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ چنانچہ روپا کو بھی اس قسم کے صورتحال کا سامنا تھا۔ وہ اپنا گھر بار چھوڑ کر کسی ایسے علاقے میں جانا چاہتی تھی جہاں اس کے جان پہچان والا کوئی نہ ہو۔

افسانہ "ملاوٹ" میں علی احمد اپنے کھرے اصولوں کی بدولت مشہور ہے۔ اس کے والدین کا انتقال ہو چکا ہوتا ہے یہی وجہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی شادی کے لیے لڑکی خود تلاش کرنے نکل جاتا ہے۔ اسی سلسلے میں وہ ایک رشتہ کروانے والے ایجنٹ سے ملاقات کرلیتا ہے۔ وہ شخص اسے مختلف حسین و جمیل لڑکیوں کی تصاویر دکھاتا ہے جن میں سے وہ ایک لڑکی کا انتخاب کرلیتا ہے۔ چنانچہ اس کی شادی طے ہو جاتی ہے لیکن علی احمد جب سہاگ رات اپنی دلہن کا گھونگھٹ اٹھا دیتا ہے تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے کیونکہ یہ وہ لڑکی نہیں ہوتی جس کی تصویر علی احمد کو دکھائی گئی تھی۔ اس واقعے کے رونما ہونے کے بعد وہ ذہنی کوفت کا شکار ہو جاتا ہے اور اپنی دکان اوچھے داموں فروخت کر کے اپنے ابائی علاقے کو خیر آباد کہہ دیتا ہے۔ علی احمد جب سفر کر رہا ہوتا ہے تو کوئی جیب کترا اس کی جیب سے نقدی نکال لیتا ہے۔ اس واقعے سے وہ اس قدر دلبر داشتہ ہو جاتا ہے کہ اپنی جان لینے کی ٹھان لیتا ہے، چنانچہ وہ خودکشی کی غرض سے ریل کی پٹڑی پر لیٹ جاتا ہے۔ اس حوالے سے افسانے کا اقتباس ملاحظہ ہو:

> "وہ اس قدر مایوس ہو گیا کہ اس نے خودکشی کا ارادہ کر لیا مگر اس میں اتنی جرأت نہیں تھی۔ اس کے باوجود ایک رات وہ ریل کی پٹڑی پر لیٹ گیا، ٹرین آ رہی تھی مگر کانٹا بدلا اور وہ دوسری لائن پر چلی گئی کہ اسے ادھر ہی جانا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔ اس کے بعد اس نے سوچا، کون سا زہر ہو گا جو کارآمد ہو سکتا ہے۔ اس نے صرف ایک ہی زہر کا نام سنا تھا جو بڑا قاتل ہوتا ہے۔۔۔ سنکھیا۔۔۔ مگر یہ سنکھیا کہاں سے ملتی؟ اس نے بہت کوشش کی، آخر اسے ایک دکان سے سنکھیا مل گئی۔ اس نے عشاء کی نماز پڑھی، خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگی کہ وہ ہلدی اور مرچوں میں ملاوٹ کرتا رہا، پھر رات کو سنکھیا کھائی اور فٹ پاتھ پر سو گیا۔ اس نے سنا تھا سنکھیا کھانے والوں کے منہ سے جھاگ نکلتے ہیں، تشنج کے دورے پڑتے ہیں، بڑا کرب ہوتا ہے مگر اسے کچھ بھی نہ ہوا، ساری رات وہ اپنی موت کا انتظار کرتا رہا مگر وہ نہ آئی"(۷)

یہاں سے ناکام و نامراد ہو کر وہ اپنی گزر بسر کے لیے نوکری تلاش کر لیتا ہے اور کچھ ہی عرصے میں دوبارہ اپنا کاروبار جما لیتا ہے لیکن ملاوٹ کے الزام میں پولیس اسے گرفتار کر لیتی ہے۔ جیل کی سزا کاٹنے کے بعد جب اسے رہائی مل جاتی ہے تو اس پر بیتے ہوئے تمام حالات و واقعات اور تلخ یادوں سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ اپنی زندگی سے ناامید ہو جاتا ہے۔ وہ دوبارہ اپنا گھر بسانا چاہتا ہے لیکن پہلے تجربے کے باعث وہ ایسا نہیں کر پاتا۔ علی احمد کا اپنی زندگی کا خاتمہ کرنا اس کی گہری مایوسی کی غمازی کرتی ہے جو پوسٹ ٹرامیٹک سٹریس ڈس آرڈر (Post Traumatic Stress Disorder) کی علامت ہے۔

افسانہ "شوبھابائی" کا نسوانی کردار شوبھابائی بھی اسی مرض کا شکار ہوتی ہے، وہ اپنی گزر بسر کے لیے جسم فروشی کرتی ہے۔ وہ ہر مہینے اپنے اکلوتے بیٹے کو دو سو روپے بھیجتی ہے اور تین مہینوں میں ایک بار اس سے ملنے ضرور جاتی ہے۔ اپنی جسمانی تکالیف کم کرنے کے لیے شوبھابائی مارفیا کے انجکشن کا سہارا لیتی ہے۔ بات چیت کے دوران اس کی شخصیت کسی عام انسان جیسی محسوس نہیں ہوتی۔ ایک مرتبہ جب وہ اپنے بیٹے کے پاس جے پور جاتی ہے تو اپنے پرانے گاہک ڈاکٹر خان کو ایک کارڈ بھیجتی ہے جس میں اپنے بیٹے کی موت کی خبر سناتی ہے۔ افسانے کا اقتباس ملاحظہ ہو:

> "اس کے بعد ایک کارڈ آیا جس میں یہ لکھا تھا "میری اندھیری زندگی میں صرف ایک دیا تھا وہ کل خدا نے بجھا دیا۔۔۔۔ بھلا ہو اس کا"(۸)

ڈاکٹر خان کے پاس شوبھابائی کی گاڑی ہوتی ہے جو وہ اس کے حوالے کرنا چاہتا ہے۔ جب اسی سلسلے میں ڈاکٹر خان کا دوست حنیف، شوبھابائی کو تلاش کر لیتا ہے تو وہ یہ دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے کیونکہ شوبھابائی کی ساری خوبصورتی غارت ہو چکی ہوتی ہے اور وہ محض ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گئی تھی۔ حنیف اس سے کہتا ہے کہ ڈاکٹر خان تمھیں تمہاری امانت واپس کرنا چاہتا ہے اس لیے کافی عرصے سے اسے تمہاری تلاش ہے۔ شوبھابائی جواب میں اسے کہتی ہے:

> "اس سے کہنا! مت ڈھونڈے مجھے۔ میری طرف دیکھو میں اتنی مدت سے اپنا کھویا ہوا لال ڈھونڈتی پھرتی ہو۔۔۔۔ یہ ڈھونڈنا بالکل بے کار ہے، کچھ نہیں ملتا"(۹)

یہ کردار بھی پوسٹ ٹرامیٹک سٹریس ڈس ارڈر (Stress Disorder Post-Traumatic) کا شکار ہے۔ وہ اپنے بیٹے کی موت کے بعد ماری ماری پھرتی ہے، جب حنیف اسے ڈاکٹر خان کے بارے میں بتاتا ہے تو لفظ "ڈھونڈنا" سے فوراً اس کا ذہن اپنے اکلوتے بیٹے کی موت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

منٹو نے ان افسانوں میں کرداروں کی ذہنی کیفیات کو موئثر انداز میں پیش کرنے کے لیے ان کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کو نفسیاتی پہلوؤں سے جوڑنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ افسانہ کھول دو کا سکینہ، یزید کا کریم داد اوراس کی بیوی جیناں، گورمکھ سنگھ کی وصیت کا صغریٰ اور اس کا والد میاں عبدالحئی، اس کی پتی کا روپا، ملاوٹ کا علی احمد اور افسانہ شوبھا بائی کی شوبھا بائی یہ تمام کردار مختلف حوادث کا شکار ہونے کے بعد پوسٹ ٹرامیٹک سٹریس ڈس ارڈر میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ منٹو نے ان کرداروں کے داخلی اضطراب، خوف اور ذہنی کشمکش کو اس انداز میں بیان کیا ہے کہ ان کی نفسیاتی پیچیدگیاں قاری پر خود بخود آشکار ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح ان افسانوں میں نہ صرف واقعات کی تصویر کشی کی گئی ہے بلکہ ان کے ذریعے انسانی ذہن کی گہرائیوں میں جھانکنے کا موقع بھی فراہم کیا گیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ حزب اللہ، تحلیل نفسی، (لاہور: کتاب منزل، ۱۹۵۹ء)، ص ۵۹۶
۲۔ سعادت حسن منٹو، کلیات: ۳، (لاہور: علم و عرفان پبلشرز، ۲۰۱۹ء)، ص ۱۳
۳۔ سعادت حسن منٹو، کلیات: ۱، (محولہ بالا)، ص ۸۹
۴۔ ایضاً، ص ۹۰
۵۔ ایضاً، ص ۹۷
۶۔ ایضاً، ص ۱۰۳
۷۔ سعادت حسن منٹو، کلیات: ۳، (محولہ بالا)، ص ۵۶۳، ۵۶۲
۸۔ ایضاً، ص ۱۹۸
۹۔ ایضاً، ص ۱۹۹